

تفہیم القرآن

النحل

تمام | رکوع ۹ کی آیت **وَاَوْحِيَ رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی محض علامت ہے نہ کہ عنوان اور موضوع بحث۔

زمانہ نزول | متعدد داند سنی شہادتوں سے اس کے زمانہ نزول پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً:-

رکوع ۶ کی پہلی آیت **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا** سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہجرت حبشہ واقع ہو چکی تھی۔

رکوع ۴ کی آیت **مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ اِيمَانِهِ** الایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ظلم و ستم پوری شدت کے ساتھ ہو رہا تھا اور یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ناقابل ہجرت ازبیت سے مجبور ہو کر کلمہ کفر کہہ بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے۔

رکوع ۵ کی آیات **وَصَوَّبَ اللَّهُ مَثَلًا قَوِيَةً** **اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ** کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں جو ہفت سالہ تحطرونا ہوا تھا وہ اس سوسہ کے نزول کے وقت ختم ہو چکا تھا۔

اسی رکوع ۱۵ میں ایک آیت ایسی ہے جس کا حوالہ سورہ انعام میں دیا گیا ہے، اور دوسری آیت ایسی ہے جس میں سورہ انعام کی ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا نزول قریب العهد ہے۔

ان شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ کا زمانہ نزول بھی مکہ کا آخری دور ہی ہے، اور اسی کی تائید سورہ کے عام انداز بیان سے بھی ہوتی ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون | شرک کا ابطال، توحید کا اثبات، دعوت پیغمبر کو نہ ماننے کے

برے نتائج پر تشبیہ و تمثیل، اور حق کی مخالفت و فراغت پر زبرد تواریخ۔

مباحث | اسوہ کا آغاز بغیر کسی تمہید کے یک لخت ایک تشبیہی جملے سے ہوتا ہے۔ کفار کو بار بار کہتے تھے کہ جب ہم تمہیں جھٹلا چکے ہیں اور کھلم کھلا تمہاری مخالفت کر رہے ہیں تو آخر وہ خدا کا عذاب آکیمون نہیں جاتا جس کی تم نہیں دھکیاں دیتے ہو۔ اس بات کو بالکل تکیہ کلام کی طرح دہرانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر نہ ہونے کا سب سے زیادہ صریح ثبوت سمجھتے تھے۔ اس پر فرمایا کہ یہ تو خود خدا کا عذاب تو تمہارے سر پر تولا کھڑا ہے۔ اب اس کے ٹوٹ پڑنے کے لئے جلدی نہ مچاؤ بلکہ جو ذرا سی ہمت باقی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کے بعد فوراً ہی نعمیم کی تقریر شروع ہو جاتی ہے اور حسب ذیل مضامین بار بار یکے بعد دیگرے سامنے آنے شروع ہوتے ہیں:

(۱) دل لگتے دلائل اور آفاق و انفس کے آثار کی کھلی کھلی شہادتوں سے سمجھایا جاتا ہے کہ شرک باطل ہے اور توحید ہی حق ہے۔

(۲) منکرین کے اعتراضات، شکوک، جھوٹوں اور جھیلوں کا ایک ایک کر کے جواب دیا جاتا ہے۔

(۳) باطل پر اصرار اور حق کے مقابلہ میں استکبار کے برے نتائج سے ڈرایا جاتا ہے

(۴) ان اخلاقی اور عملی تغیرات کو عمل مگر دل نشین انداز سے بیان کیا جاتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین انسانی زندگی میں لانا چاہتا ہے، اور اس سلسلہ میں مشرکین کو بتایا جاتا ہے کہ خدا کو رب ماننا جس کا انہیں دعویٰ تھا، محض خالی خمی مان لینا ہی نہیں ہے بلکہ اپنے کچھ تقاضے بھی رکھتا ہے جو عقائد، اخلاق اور عملی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی ڈھارس بندھائی گئی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کفار کی مزاحمتوں اور جھاکاریوں کے مقابلہ میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہئے۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے

آگیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔ پاک بنے وہ اور بالا و برتر ہے اُس
شُرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اس رُوح کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے

لے یعنی بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، اُس کے ظہور و نفاذ کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس بات کو صیغہ ماضی میں یا
تو اس کے انتہائی یقینی اور انتہائی قریب مچنے کا تصور دلانے کے لئے فرمایا گیا، یا پھر اس لئے کہ کفارِ قریش کی سرکشی و
بد عملی کا پیمانہ لبریز مچ چکا تھا اور آخری فیصلہ کن قدم اٹھانے کا وقت آگیا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کیا تھا اور کس شکل میں آیا؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اعلم بالصواب کہ اس فیصلے
سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت تھی جس کا حکم تھوڑی مدت بعد ہی دیا گیا قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ نبی جن لوگوں کے درمیان مبعوث ہوتا ہے ان کے وجود و انکار کی آخری سرحد پر پہنچ کر ہی اسے ہجرت کا حکم دیا جاتا
ہے، اور یہ حکم ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد یا تو ان پر تباہ کن عذاب آجاتا ہے، یا پھر نبی اور اس کے
متبعین کے ہاتھوں ان کی بڑکاوٹ کر رکھ دی جاتی ہے۔ یہی بات تاریخ سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہجرت حبشہ واقع
ہوئی تو کفار مکہ سمجھے کہ یہ فیصلہ ان کے حق میں ہے، مگر آٹھ دس سال کے اندر ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ نہ صرف مکہ سے
بلکہ پوری سرزمین عرب ہی سے کفر و شرک کی بڑی اکھاڑ کھینک دی گئی۔

لکھ پینے فقرے اور دوسرے فقرے کا باہمی ربط سمجھنے کے لئے پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ کفار جو
نبی اللہ علیہ وسلم کو بار بار چیلنج کر رہے تھے کہ اب کیوں نہیں آجاتا خدا کا وہ فیصلہ جس کے تم ہمیں ڈرا سے دیا کرتے ہو؟
تو دراصل اس کے پیچھے اُن کا یہ خیال کارفرما تھا کہ ان کا مشرکانہ مذہب ہی برحق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خواہ
مخوہ اللہ کا نام لے کر ایک غلط مذہب پیش کر رہے ہیں جسے اللہ کی طرف سے کوئی منظوری حاصل نہیں ہے، ورنہ
کیسے ممکن تھا کہ ہم اللہ سے پھرے ہوئے ہوتے اور یہ اُس کے بھیجے ہوئے ہوتے اور پھر بھی جو کچھ ہم ان کے ساتھ کر رہے
ہیں اُس پر ہماری شامت آجاتی۔ اس لئے خدائی فیصلے کے قریب آگئے کا اعلان کرتے ہی خود ایہ ارشاد ہوا کہ اس نفاذ
میں تاخیر کی وجہ ہرگز وہ نہیں ہے جو تم مجھے بیٹھے ہو۔ اللہ اس سے بلند تر اور پاکیزہ تر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔

تکلمہ یعنی روح نبوت کو جس سے بھر کر نبی کام اور کلام کرتا ہے۔ یہ وحی اور یہ پیغمبرانہ اسپرٹ چونکہ اخلاقی زندگی
و باقی رہا ہے

ملائکہ کے ذریعے نازل فرمادیتا ہے اس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو آگاہ کر دو، میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو۔ اُس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہ بہت بالا و برتر ہے اُس شہادے سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

دقیقہ حاشیہ ۱۳۹ میں وہی مقام رکھتی ہے جو طبعی زندگی میں روح کا مقام ہے، اس لئے قرآن میں متعدد مقامات پر اس کے لئے روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ فیصلہ طلب کرنے کے لئے کفار جو چیخ کر رہے تھے اس کے پس پشت چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار بھی موجود تھا، اس لئے شرک کی تردید کے ساتھ اور اس کے مقابلہ آپ کی نبوت کا اثبات فرمایا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بناوٹی باتیں ہیں جو یہ شخص بنا رہا ہے۔ اللہ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نہیں، یہ ہماری بھیجی ہوئی روح ہے جس سے مملو ہو کر یہ شخص نبوت کر رہا ہے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ اپنے جس بندے پر اللہ چاہتا ہے یہ روح نازل کرتا ہے تو یہ کفار کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو وہ حضور پر کرتے تھے کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا تو کیا بس ایک محمد بن عبد اللہ ہی اس کام کے لئے نہ گیا تھا، بلکہ اور طائف کے سائے بڑے بڑے سفراء مرگئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑ سکی! اس طرح کے بیہودہ اعتراضات کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، اور یہی متعدد مقامات پر قرآن میں دیا گیا ہے کہ خدا اپنے کام کو خود جانتا ہے، تم سے مشورہ لینے کی حاجت نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے آپ ہی اپنے کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

۲۔ اس فقرے سے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ روح نبوت جہاں جس انسان پر بھی نازل ہوتی ہے یہی ایک دعوت لیکر آتی ہے کہ خدا کی طرف ایک اللہ کی ہے اور بس وہی اکیلا اس کا مستحق ہے کہ اس سے تقویٰ کیا جائے، کوئی دوسرا اس الٰہی نہیں کہ اس کی نادمی کا خوف، اس کی مزا کا ڈر، اور اس کی نافرمانی کے نتائج باہکا اندیشہ انسانی اخلاق کا ننگر اور انسانی فکر و عمل کے پسے نظام کا محور بن کر رہے۔

۳۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات، جس کی دعوت خدا کے پیغمبر دیتے ہیں، اسی کی شہادت زمین و آسمان کا پورا کارخانہ تخلیق سے رہا ہے۔ یہ کارخانہ باقی ماندہ

اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑا تو مستی بن گیا۔ اس نے جانور پیدا کئے جن میں تمہارے لئے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لئے جمال ہے جبکہ صبح تم انہیں چرتے کے لئے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے بوجھ ڈھوکہ ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

رقیبہ حاشیہ نمبر ۱، کوئی خیالی گورکھ دھندا نہیں ہے بلکہ ایک سراسر ملنی پر حقیقت نظام ہے۔ اس میں تم جس طرح چاہو نگاہ اٹھا کر دیکھ لو، شرک کی گواہی کہیں سے نہ ملے گی، اللہ کے سوا دوسرے کی خدائی کہیں ملتی نظر نہ آئیگی، کسی چیز کی ساخت یہ شہادت نہ دیگی کہ اس کا وجود کسی اور کا بھی رہیں منت ہے۔ پھر جب یہ ٹھوس حقیقت پر بنا ہوا نظام خالص توحید پر چل رہا ہے تو آخر تمہارے اس شرک کا سکہ کس جگہ رواں ہو سکتا ہے جبکہ اس کی تہ میں وہم و گمان کے سوا واقعیت کا شائبہ تک نہیں ہے؛

اس کے بعد آثار کائنات سے اور خود انسان کے اپنے وجود سے وہ شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جو ایک طرف توحید پر اور دوسری طرف رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔

لے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور غالباً دونوں ہی مراد ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے نطفے کی حقیر سی بوند سے وہ انسان پیدا کیا جو بحث و استدلال کی قابلیت رکھتا ہے اور اپنے مدعا کے لئے مجتہد پیش کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس انسان کو خدا نے نطفہ جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا ہے، اس کی خودی کا طغیان تو دیکھو کہ وہ خود خدا ہی کے مقابلہ میں جھگڑنے پر اترا آیا ہے۔ پیہے مطلب کے لحاظ سے یہ آیت اسی استدلال کی ایک کڑی ہے جو آگے مسلسل کئی آیتوں میں پیش کیا گیا ہے جس کی تشریح ہم اس سلسلہ بیان کے آخر میں کریں گے۔ اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے یہ آیت انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے سے پیہے ذرا اپنی ہستی کو دیکھ۔ کس شکل میں تو کہاں سے نکل کر کہاں پہنچا، کس جگہ تو نے ابتداء پرورش پائی، پھر کس راستے سے تو برآمد ہو کر دنیا میں آیا، پھر کن مرحلوں سے گذرتا ہوا تو جوانی کی عمر کو پہنچا، اور اس اپنے آپ کو بھول کر تو کس کے منہ آ رہا ہے۔

اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی مددگار بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔ اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں، اگر وہ چاہتا تو تم سب کو

علا یعنی بکثرت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی بھلائی کے لئے کام کر رہی ہیں اور انسان کو خیر تک نہیں ہے کہ کہاں کہاں کتنے خدام اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

۳۔ توحید اور رحمت و بزرگوں کے دلائل پیش کرتے ہوئے یہاں اشارۃً نبوت کی بھی ایک دلیل پیش کر دی گئی ہے۔ اس دلیل کا مختصر بیان یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے فکر و عمل کے بہت سے مختلف راستے ممکن ہیں اور عملاً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سائے راستے بیک وقت توقع یعنی مطابق حقیقت نہیں ہو سکتے۔ سچائی تو ایک ہی ہے اور صحیح نظریہ حیات صرف وہی ہو سکتا ہے جو اس سچائی کے مطابق ہو۔ پھر عمل کے پیشمار ممکن راستوں میں سے صحیح راستہ بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو صحیح نظریہ حیات پر مبنی ہو اس صحیح نظریے اور صحیح راہِ عمل کا علم انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، بلکہ اصل بنیادی ضرورت ہی ہے کیونکہ دوسری تمام چیزیں تو انسان کی طرف ان ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جو ایک اُونچے درجے کا جانور ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ ایک ضرورت ایسی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہے۔ یہ اگر پوری نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کی ساری زندگی ہی ناکام ہو گئی۔ اب غور کرو کہ جس خدا نے تمہیں وجود میں لائے۔ سے پہلے تمہارے لئے یہ کچھ سر و سامان مہیا کر کے رکھا، اور جس نے وجود میں لانے کے بعد تمہاری حیوانی زندگی کی ایک ایک ضرورت کو پورا کرنے کا اتنی دقیقہ منجی کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر انتظام کیا، کیا اس سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ اس نے تمہاری انسانی زندگی کی اس سب سے بڑی اور اصلی ضرورت کو پورا کرنے کا بندوبست نہ کیا ہوگا؟ یہی بندوبست تو ہے جو نبوت کے ذریعے سے کیا گیا ہے۔ اگر تم نبوت کو نہیں مانتے تو بناؤ کہ تمہارے خیال میں خدا نے انسان کی ہدایت کے لئے اور کونسا انتظام کیا ہے؟ اس کے جواب میں تم نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ہمیں راستہ تلاش کرنے کے لئے مشکل و فکر دے رکھی ہے، کیونکہ انسانی عقل و فکر پہلے ہی بے شمار مختلف راستے ایجاد کر بیٹھی ہے جو راستے

ہدایت دے دیتا ہے

وہی ہے جس نے آسمان سے تہا سے لے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تہا سے جانوروں کے لئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگانا ہے۔ اور زیتون، اور کھجور اور انگوٹھ اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) کی صحیح دریافت میں اس کی ناکامی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور تم یہی کہہ سکتے ہو کہ خیالے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے، کیونکہ خدا کے ساتھ اس سے بڑھ کر بدگمانی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ ہماری حیثیت سے تو انسان کی پرورش اور اس کے نشوونما کا اتنا مفصل اور مکمل انتظام کرے مگر انسان پر جو حیثیت سے اس کو رہنمائی نہیں کی ہے اور ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دے۔

لہ یعنی اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس ذمہ داری کو درجوع انسان کی رہنمائی کے لئے اس نے خود اپنے اوپر عائد کی ہے، اس طرح ادا کرنا کہ اسے انسانوں کو پیدائشی طور پر دوسری تمام بے اختیار مخلوقات کے مانند برسر ہدایت بنا دیتا۔ لیکن یہ اس کی مشیت کا تقاضا نہ تھا۔ اس کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانے کی متقاضی تھی جو اپنی پسند اور اپنے انتخاب سے صحیح اور غلط، ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھتی ہو۔ اسی آزادی کے استعمال کے لئے اس کو علم کے ذرائع دیئے گئے، عقل و فکر کی صلاحیتیں دی گئیں، خواہش اور ارادے کی طاقتیں بخشی گئیں، اپنے اندر اور باہر کی بے شمار چیزوں پر تصرف کے اختیارات عطا کئے گئے، اور باطن و ظاہر میں ہر طرف بے شمار ایسے اسباب رکھ دیئے گئے جو اس کے لئے ہدایت اور ضلالت، دونوں کے موجب بن سکتے ہیں یہ سب کچھ بے معنی ہو جاتا اگر وہ پیدائشی طور پر راست رو بنا دیا جاتا۔ اذنتی کے ان بلند ترین معارج تک بھی انسان کا پہنچنا ممکن نہ رہتا جو صرف آزادی کے صحیح استعمال ہی کے نتیجے میں اس کو مل سکتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لئے جبری ہدایت کا طریقہ چھوڑ کر رسالت کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ انسان کی آزادی بھی برقرار رہے، اور اس کے امتحان کا نشانہ بھی پورا ہو، اور وہ راست بھی معقول ترین طریقہ سے اس کے سامنے پیش کر دی جائے۔

اُس نے تمہاری بھلائی کے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تانے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور یہ جو بہت سی رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں بھی ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پنا کہتے ہو تم دیکھتے ہو کہ شتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار ہو۔ اس نے زمین میں پہاڑوں کی مچھلیں گاڑیں تاکہ زمین تم کو لیکر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس نے زمین میں راستہ بنانے والی علامتیں رکھی ہیں

یعنی حلال طریقوں سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

۱۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین پر پہاڑوں کے اجماع کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے زمین کی گردش اور اس کی رفتار میں انضباط پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر پہاڑوں کے اس فائدے کو نمایاں کر کے بتایا گیا ہے جس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے تمام فائدے ضمنی ہیں اور اصل فائدہ ہی حرکت زمین کو اضطراب سے بچا کر منضبط (Stable) کرنا ہے۔

۱۲۔ یعنی وہ رائے محمدی، مانوں اور دریاؤں کے ساتھ بنتے چلنے ہیں۔ ان قدرتی راستوں کی اہمیت خصوصیت کے ساتھ پہاڑی علاقوں میں محسوس ہوتی ہے، اگرچہ میدانی علاقوں میں بھی وہ کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ لکن یعنی خدا نے ساری زمین بالکل تیار بنا کر نہیں رکھی بلکہ ہر خطے کے مختلف اقبالی سلامات سے ممتاز کیا۔ اس کے بہت سے دوسرے فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بھی

ہے کہ آدمی اپنے راستے اور اپنی منزل مقصود کو الگ پہچان لیتا ہے۔ اس نعمت کی قدر آدمی کو اسی وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ اسے کبھی ایسے ریگستانی علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا جو جہاں اس طرح کے امتیازی نشانات تقریباً مفقود ہوتے ہیں اور آدمی ہر وقت بھٹک جانے کا خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر (باقی صفحہ پر)

اور تامل سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

رحمانیہ صفحہ ۱۴۲ بجری سفر میں آدمی کو اس عظیم الشان نعمت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ وہاں نشاناتِ راہ بالکل ہی مفقود ہوتے ہیں لیکن صحراؤں اور دروں میں بھی اللہ نے انسان کی رہنمائی کا ایک فطری انتظام کر رکھا ہے اور وہ ہیں تارے جنہیں دیکھ دیکھ کر انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک اپنا راستہ معلوم کر رہا ہے۔

یہاں پھر توحید اور رحمت و ربوبیت کی دلیلوں کے درمیان ایک لطیف اشارہ و دلیل رسالت کی طرف کر دیا گیا ہے۔ اس مقام کو پڑھتے ہوئے ذہن خود بخود اس مضمون کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ جس خدا نے تمہاری مادی زندگی میں تمہاری رہنمائی کے لئے یہ کچھ انتظامات کئے ہیں کیا وہ تمہاری اخلاقی زندگی سے اتنا بے پروا ہو سکتا ہے کہ یہاں تمہاری ہدایت کا کچھ بھی انتظام نہ کرے؟ ظاہر ہے کہ مادی زندگی میں بھٹک جانے کا بٹے سے بڑا نقصان بھی اخلاقی زندگی میں بھٹکنے کے نقصان سے بدرجہا کم ہے پھر جس رب رحیم کو ہماری مادی فلاح کی اتنی فکر ہے کہ پہاڑوں میں ہائے مٹے راستے بناتا ہے، میدانوں میں نشاناتِ راہ کھڑے کرتا ہے، صحراؤں اور سمندروں میں ہم کو راستہ دکھانے کے لئے آسمانوں پر قندیلیں روشن کرتا ہے، اس سے یہ بدگمانی کیسے کی جاسکتی ہے کہ اس نے ہماری مادی فلاح کے لئے کوئی راستہ نہ بنایا ہوگا، اس راستہ کو نمایاں کرنے کے لئے کوئی نشان نہ کھڑا کیا ہوگا، اور اُسے صاف صاف دکھانے کے لئے کوئی سراج منیر روشن نہ کیا ہوگا؟

لہٰذا یہاں تک آفاق اور انفس کی بہت سی نشانیاں جو پے درپے بیان کی گئی ہیں ان سے یہ توہین نشین کرنا مقصود ہے کہ انسان اپنے وجود سے لیکر زمین اور آسمان کے گوشے گوشے تک جدھر چاہے نظر دوڑا کر دیکھ لے، ہر چیز بغیر کے بیان کی تصدیق کر رہی ہے اور کہیں سے بھی شرک کی دائرہ ساتھ ساتھ دہرت کی بھی تائید میں کوئی شہادت فراہم نہیں ہوتی۔ یہ ایک حقیر بوند سے بولنا چاہتا اور حجت استدلال کرنا انسان بنا کھڑا کرنا۔ یہ اس کی ضرورت کے عین مناسب بہت سے جانور پیدا کرنا جن کے بال اور کھال، خون اور دودھ، گوشت اور پیچھے، ہر چیز میں انسانی فطرت کے بہت سے مطالبات کا، حتیٰ کہ اس کے ذوقِ جمال کی مانگ تک کا جواب موجود ہے۔ یہ آسمان سے باتیں کا انتظام اور یہ زمین میں طرح طرح کے پھلوں اور غلوں اور چاروں کی روئیدگی کا انتظام جس کے سارے بے شمار شعبے آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھتے

پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم اتنا بھی

رتقیہ حاشیہ ۱۲۵ چلے جاتے ہیں اور پھر انسان کی بھی فطری ضرورتوں کے عین مطابق ہیں۔ یہ رات اور دن کی باقاعدہ آمدورفت، اور یہ چاند اور سورج اور تاروں کی انتہائی منظم حرکات جن کا زمین کی پیداوار اور انسان کی مصلحتوں سے اتنا گہرا ربط ہے۔ یہ زمین میں سمندروں کا وجود اور یہ ان کے اندر انسان کی بہت سی طبعی اور جمالی طلبوں کا جواب۔ یہ پانی کا چند مخصوص قوانین سے جکڑا ہوا ہونا اور پھر اس کے یہ قاعدے کہ انسان سمندر جیسی مہلناک چیز کا سینہ چیرتا ہوا اس میں اپنے جہاز چلاتا ہے اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر اور تجارت کرتا پھرتا ہے۔ یہ دھرتی کے سینے پر پہاڑوں کے ابھار اور یہ انسان کی ہستی کے لئے ان کے فائدے۔ یہ سطح زمین کی ساخت سے لیکر آسمان کی بلند قضاؤں تک بے شمار علامتوں اور امتیازی نشانات کا پھیلاؤ اور پھر اس طرح ان کا انسان کے لئے مفید ہونا۔ یہ ساری چیزیں صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایک ہی ہستی نے یہ منصوبہ سوچا ہے، اسی لئے اپنے منصوبے کے مطابق ان سب کو ڈیزائن کیا ہے، اسی نے اس ڈیزائن پر ان کو پیدا کیا ہے، وہی ہر ان میں نت نئی چیزیں بنا بنا کر اس طرح لاریل ہے کہ مجموعی اسکیم اور اس کے نظم میں ذرا فرق نہیں آتا، اور وہی زمین سے لیکر آسمانوں تک اس عظیم نشان کارخانے کو چلا رہا ہے۔ ایک پتوقف یا ایک ہٹ دھرم کے سوا اور کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے، یا یہ کہ اس کمال درجہ منظم، مربوط اور متناسب کائنات کے مختلف کام یا مختلف اجزاء مختلف خداؤں کے آفریدہ اور مختلف خداؤں کے زیر انتظام ہیں۔

یعنی اگر تم یہ مانتے ہو جیسا کہ فی الواقع کفار تکہ ہی مانتے تھے اور دنیا کے دوسرے مشرکین بھی ملتے ہیں، کہ خالق اللہ ہی ہے اور اس کائنات کے اندر تمہارے ٹھہرائے ہوئے شرکیوں میں سے کسی کا کچھ بھی پیدا کیا ہوا نہیں ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق کے خلق کیسے ہوئے نظام میں ان غیر خالق ہستیوں کی حیثیت اس کے برابر یا کسی طرح بھی اس کے مانند ہو؟ کیونکہ ممکن ہے کہ اپنی خلق کی ہوئی کائنات میں اختیار خلق کے میں ہی ان غیر خالقوں کے بھی ہوں، اور اپنی مخلوق پر جو حقوق خالق کو حاصل ہیں وہی حقوق غیر خالقوں کو بھی حاصل ہوں، کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خالق اور غیر خالق کی صفات ایک جیسی ہونگی، یا وہ ایک جنس کے افراد ہونگے، حتیٰ کہ ان کے درمیان باپ اور اولاد کا رشتہ ہوگا؟

نہیں سمجھتے؟ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنتا چاہو تو گن نہیں سکتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے، حالانکہ وہ تمہارے کھلے سے بھی وافر ہے اور چھپے سے بھی۔

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مرنے والے ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا

لے پے اور دوسرے فقرے کے درمیان ایک پوری داستان آن کہی چھوڑ دی ہے، اس لئے کہ وہ اس قدر عیاں ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اس کی طرف محض یہ لطیف اشارہ ہی کافی ہے کہ اللہ کے بے پایاں احسانات کا ذکر کہنے کے معنی بعد اس کے غفور و رحیم ہونے کا ذکر کر دیا جاتے۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس انسان کا بال بال اللہ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے وہ اپنے محسن کی نعمتوں کا جواب کیسی کیسی تک حرامیوں، بے وفائیوں، غداہیوں اور سرکشوں سے ملے رہا ہے، اور پھر اس کا محسن کیسا رحیم اور حلیم ہے کہ ان ساری حرکتوں کے باوجود وہ سالہا سال ایک تک حرام شخص کو اور صدیا برس ایک یاغی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو علانیہ خالق کی ہستی ہی کے منکر ہیں اور پھر بھی نعمتوں سے مالا مال ہوتے جاتے ہیں۔ وہ بھی پائے جاتے ہیں جو خالق کی ذات، صفات، اقدیارات، حقوق، سب میں غیر خالق ہستیوں کو اس کا شریک ٹھیرا ہے ہیں اور منعم کی نعمتوں کا شکر یہ غیر مستحقوں کو ادا کر رہے ہیں، پھر بھی نعمت دینے والا ہاتھ نعمت دینے سے نہیں رکتا۔ وہ بھی ہیں جو خالق کو خالق اور منعم ماننے کے باوجود اس کے مقابلے میں سرکشی و نافرمانی ہی کو اپنا شیوہ اور اس کی اطاعت سے آزادی ہی کو اپنا مسک بناتے رکھتے ہیں، پھر بھی مدت العمر اس کے بے حد حساب احسانات کا سلسلہ ان پر جاری رہتا ہے۔

۱۴۷ یعنی کوئی احتیاط سمجھے کہ انکار خدا اور شرک اور معصیت کے باوجود نعمتوں کا سلسلہ بند نہ ہونا کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ کو لوگوں کے کہ تو توں کی خبر نہیں ہے۔ یہ کوئی اندھی بانٹ اور غلط بخشی نہیں ہے جو بے خبری کی وجہ سے ہو رہی ہو۔ یہ تو وہ علم اور درگزر ہے جو مجرموں کے پوشیدہ اسرار بلکہ دل کی چھپی ہوئی باتوں تک سے واقف ہونے کے باوجود دیکھا جا رہا ہے، اور یہ وہ قیاضی و عالی ظرفی ہے جو صریحاً عالمین ہی کو زیرِ تہی

جائے گایے

تہا یا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے اُن کے دلوں میں انکار ہے کہ وہ گیا ہے اور وہ گھمنڈ میں پڑ گئے ہیں۔ اللہ یقیناً ان کے سب کو توت جانتا ہے، چھپے ہوئے بھی اور

لہ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے، یاجن، یا شیاطین، یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں، بلکہ اصحابِ قبور ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں، ان پر اَمواتٌ غَیْرَ اَحْیَاءِ کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے اس لئے مَا یَشْعُرُونَ اَیَّانَ یُبْجَثُونَ کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں اَلَّذِیْنَ یَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو عالی معتمدین و اتناہ شکل کشا، فریاد رس، غریب نواز، گنج بخش، اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے بکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پاتے جاتے تھے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل، ربیعہ، غسان، کلب، تغلب، قضاہ، کنانہ، حرث، کعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پاتے جاتے تھے، اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزے ہوئے انسان ہی تھے جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ وہ، سواع، یغوث، یعوق، نسر، یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساق اور نائلہ دونوں انسان تھے اسی طرح کی روایات لات اور مناة اور غزنی کے پاسے میں بھی موجود ہیں۔ اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی آیا تھا کہ لات اور غزنی اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑا لات کے ہاں اور غزنی کے ہاں بسر کرتے تھے، یُسَبِّحُنَّہُ وَتَعَالٰی عَمَّا یُصِفُوْنَ۔

لہ یعنی آخرت کے انکار نے ان کو اس قدر غیر ذمہ دار بنے فکر، اور دنیا کی زندگی میں مست بنا دیا ہے

روائی مقلدین

کھلے ہوتے بھی۔ وہ ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو غرور و نفوس میں مبتلا ہوں۔

اور جب کوئی ان سے پوچھتا ہے کہ تمہارے رب نے یہ کیا چیز نازل کی ہے تو کہتے ہیں: "اجی وہ تو اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔" یہ باتیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے بوجھ بھی پوئے اٹھائیں، اور ساتھ ساتھ کچھ ان لوگوں کے بوجھ بھی سمیٹیں جنہیں یہ ربنا سے جہالت گمراہ کہہ رہے ہیں۔ دیکھو! کیسی سخت ذمہ داری ہے جو یہ اپنے سر لے رہے ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ رخن کو نیچا دکھانے کے لئے، ایسی ہی مکاریاں کر چکے ہیں، تو دیکھ لو کہ اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور اس کی نچھت اوپر سے ان کے سر پر آ رہی اور ایسے رُخ سے ان پر عذاب آیا جو صبر سے اس کے آنے کا ان کو گمان تک نہ تھا۔ پھر قیامت کے روز اللہ انہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ وہ ان سے کہے گا: "بتاؤ اب کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے لئے تم

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۱۲۸) کہ اب انہیں کسی حقیقت کا انکار کہہ دینے میں باک نہیں رہا، کسی صداقت کی ان کے دل میں قدر باقی نہیں رہی، کسی اخلاقی بندش کو اپنے نفس پر برداشت کرنے کے لئے وہ تیار نہیں رہے اور انہیں یہ تحقیق کرنے کی پروا ہی نہیں رہی کہ جس طریقہ پر وہ چل رہے ہیں وہ حق ہے بھی یا نہیں۔

لہذا یہاں سے تقریر کا رُخ وہ سری طرف پھرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں جو شرارتیں کفار مکہ کی طرف سے ہو رہی تھیں، جو سختیں آپ کے خلاف پیش کی جا رہی تھیں، جو جیلے اور بہانے ایمان نہ لانے کے لئے گھڑے جا رہے تھے، جو اعتراضات آپ پر وارد کیے جا رہے تھے، ان کو ایک ایک کر کے لیا جاتا ہے اور ان پر فہمائش، زجر اور نصیحت کی جاتی ہے۔

لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا جب اطراف و اکناف میں پھیلا تو مکہ کے لوگ جہاں کہیں جاتے تھے ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارے ہاں جو صاحب نبی بنا کر اٹھے ہیں وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے سوالات کا جواب کفار مکہ ہمیشہ ایسے الفاظ میں دیتے تھے جن سے سائل کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی لائی ہوئی کتاب کے متعلق کوئی نہ کوئی شک بیٹھ جاتے، یا کم از کم اس سے دلچسپی باقی نہ رہے۔

راہل حق سے، جھگڑے کیا کرتے تھے؟ ۱۔ جن لوگوں کو دنیا میں علم حاصل تھا وہ کہیں گے "آج رسوائی اور بدبختی ہے کافروں کے لئے" یاں انہی کافروں کے لئے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے جب ملائکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہیں تو سرکشی چھوڑ کر، فوراً ڈگیں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم تو کوئی قصور نہیں کہہ رہے تھے" ملائکہ جواب دیتے ہیں "کہہ کیسے نہیں رہے تھے، اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے، اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ، وہیں تم کو ہمیشہ رہنا ہے" پس حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی بڑا ٹھکانا ہے متکبروں کے لئے۔

۲۔ یہاں دو کئی فقروں کے درمیان ایک لطیف خلافت جسے سامع کا ذہن تھوڑے غور و فکر سے خود بھر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ سوال کریگا تو سارے میدان حشر میں ایک سناٹا چھا جائیگا۔ کفار و مشرکین کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا، اس لئے وہ دم بخود رہ جائیں گے تب اہل علم کے درمیان آپس میں یہ باتیں ہونگی۔

۳۔ یہ فقرہ اہل علم کے قول پر اضافہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ خود بطور تشریح فرما رہا ہے۔ جن لوگوں نے اسے بھی اہل علم ہی کا قول سمجھا ہے انہیں بڑی تاویلوں سے بات بنانی پڑی ہے اور پھر بھی بات پوری نہیں ہو سکی ہے۔

۴۔ یعنی جب موت کے وقت ملائکہ ان کی روئیں ان کے جسم سے نکال کر اپنے قبضہ میں لیتے ہیں لہذا یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت جس میں قبض روح کے بعد منتقلیوں اور ملائکہ کی گفتگو کا ذکر ہے، قرآن مجید کی ان متعدد آیات میں سے ہے جو صریح طور پر عذاب و ثواب قبر کا ثبوت دیتی ہیں جیسا کہ "قبر" کا لفظ مجازاً عالم برزخ کے لئے استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد وہ عالم ہے جس میں موت کی آخری سچکی سے لے کر بعثت بعد الموت کے پہلے جھٹکے تک انسانی ارتداد نہیں کی۔ منکرین حدیثاً کو اس پر اصرار ہے کہ یہ عالم بالکل عدم محض کا عالم ہے جس میں کوئی احساس اور شعور نہ ہوگا اور کسی قسم کا عذاب یا ثواب نہ ہوگا۔ لیکن یہاں دیکھیے کہ کفار کی روئیں جب قبض کی جاتی ہیں تو وہ موت کی سرحد کے پار کا حال بالکل اپنی توقعات کے خلاف پا کر سرا سیمہ ہو جاتی ہیں اور فوراً سلام ٹھونک کر (باقی صفحہ)

دوسری طرف جب خدا نرس لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ "بہترین چیز اتنی ہے" اس طرح کے نیکو کار (رقیبہ حاشیہ منہا) ملائکہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ہم کوئی بُرا کام نہیں کر رہے تھے۔ جواب میں ملائکہ ان کو ڈانٹتے ہیں اور جہنم وصل ہونے کی پیشگی خبر دیتے ہیں۔ دوسری طرف انبیاء کی رو میں جب قبض کی جاتی ہیں تو ملائکہ ان کو سلام بجالاتے ہیں اور جنتی ہونے کی پیشگی مبارکباد دیتے ہیں۔ کیا برزخ کی زندگی، احساس، شعور، عذاب اور ثواب کا اس سے بھی زیادہ کھلا ہوا کوئی ثبوت درکار ہے؟ اسی سے ملتا جلتا مضمون سورہ نساء رکوع ۴۲ کی پہلی آیت میں بھی ہے جہاں ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں سے قبض روح کے بعد ملائکہ کی گفتگو کا ذکر آیا ہے۔ اور ان سب سے زیادہ صاف الفاظ میں عذاب برزخ کی تصریح سورہ مومن کوع ۵ میں کی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرعون اور آل فرعون کے متعلق فرماتا ہے کہ "ایک سخت عذاب اُن کو گھیرے ہوئے ہے، یعنی صبح و شام وہ آگ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، پھر جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو"۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث، دونوں سے موت اور قیامت کے درمیان کی حالت کا ایک ہی نقشہ معلوم ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ موت محض جسم و روح کی علیحدگی کا نام ہے نہ کہ بالکل معدوم ہوجانے کا۔ جسم سے علیحدہ ہوجانے کے بعد روح معدوم نہیں ہوجاتی بلکہ اُس پوری شخصیت کے ساتھ زندہ رہتی ہے جو دنیا کی زندگی کے تجربات اور ذہنی و اخلاقی اکتسابات سے بنی تھی۔ اس حالت میں روح کے شعور، احساس، مشاہدات اور تجربات کی کیفیت خواب سے ملتی جلتی ہوتی ہے ایک مجرم رُوح سے فرشتوں کی بازپرس اور پھر اس کا عذاب اور اذیت میں مبتلا ہونا اور دوزخ کے سامنے پیش کیا جانا، سب کچھ اُس کیفیت سے مشابہ ہوتا ہے جو ایک قتل کے مجرم پر پھانسی کی تاریخ سے ایک دن پہلے ایک ڈوڑنے خواب کی شکل میں گذرتی ہوگی۔ اسی طرح ایک پاکیزہ روح کا استقبال اور پھر اس کا جنت کی یشامت سنا اور اس کا جنت کی ہوائوں اور خوشبوؤں سے متمتع ہونا، یہ سب بھی اُس رہائی کے لیے

لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔
 بڑا اچھا گھر ہے منتقیوں کا، دائمی قیام کی جگتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے نیچے نہیں بہ رہی ہوئی
 اور سب کچھ وہاں ان کی عین خواہش کے مطابق ہوگا۔ یہ خبر اذیتا ہے اللہ متقیوں کو۔ ان منتقیوں
 کو جن کی رو میں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر، جاؤ جنت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱) ملازم کے خواب سے متاثر ہوا جو حسن کارکردگی کے بعد سرکاری بلائے پر مہم کو اتر میں
 حاضر ہوا اور وعدہ ملاقات کی تاریخ سے ایک دن پہلے آئندہ انعامات کی اُمیدوں سے لبریز ایک
 سہانا خواب دیکھ رہا ہو۔ یہ خواب ایک نعت نفعِ صورت دوم سے ٹوٹ جائے گا اور یکایک میدانِ حشر
 میں اپنے آپ کو جسم و روح کے ساتھ زندہ پا کر مجرمین حیرت سے کہیں گے کہ لَوْ بَدَّلْنَا مَنْ بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِ
 (ارے یہ کون ہیں ہماری خوابیگاہ سے اٹھالایا؟)۔ مگر اہل ایمان پوسے اطمینان سے کہیں گے کہ ہَذَا
 مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ یہ وہی چیز ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کا بیان
 سچا تھا، مجرمین کا فوری احساس اُس وقت یہ ہوگا کہ وہ اپنی خوابیگاہ میں (جہاں بستر موت پر انہوں نے
 دنیا میں جان دی تھی) شاید کوئی ایک گھنٹہ بھر سوئے ہونگے اور اب اچانک اس حادثہ سے آنکھ کھلنے
 کے بعد کہیں بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ مگر اہل ایمان پوسے ثباتِ قلب کے ساتھ کہیں گے کہ لَقَدْ كَيْفَ كُنْتُمْ
 فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا أَيُّومُ الْبَعْثِ وَكَيْفَ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (اللہ کے دفتر
 میں تو تم روزِ حشر تک ٹھیرے رہے ہو اور یہی روزِ حشر ہے مگر تم اس چیز کو جانتے تھے)

لہٰذا یہ ہے جنت کی اصل تعریف کہ وہاں انسان جو کچھ چاہے گا وہی اسے ملیگا اور کوئی چیز اس
 کی مرضی اور پسند کے خلاف واقع نہ ہوگی۔ دنیا میں کسی رئیس، کسی امیر کبیر، کسی بڑے سے بڑے بادشاہ
 کو بھی یہ نعمت کبھی میسر نہیں آئی ہے، نہ یہاں اس کے حصول کا کوئی امکان ہے۔ مگر جنت کے برکات کو
 راحت و مسرت کا یہ درجہ کمال حاصل ہوگا کہ اس کی زندگی میں ہر وقت ہر طرف سب کچھ اس کی خواہش
 اور پسند کے عین مطابق ہوگا۔ اس کا ہر ارمان نکلے گا، اس کی ہر آرزو پوری ہوگی، اس کی ہر چاہت
 عمل میں آکر رہے گی۔

میں اپنے اعمال کے بدلے :-

اے محمد! اب جو یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں تو اس کے سوا اب اور کیا باقی رہ گیا ہے کہ ملائکہ ہی آپہنچیں۔ یا تیرے رب کا فیصلہ صادر ہو جائے؟ اس طرح کی ڈھٹائی ان سے پہلے بہت سے لوگ کر چکے ہیں۔ پتھر جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ ان پر اللہ کا ظلم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا ظلم تھا جو انہوں نے خود اپنے اوپر کیا۔ ان کے کدوؤں کی خرابیاں آخر کا۔ ان کی دامن گیر بوگئیں اور وہی چیز ان پر مستط ہو کہ ہی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے :-

یہ مشرکین کہتے ہیں "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے"۔ ایسے ہی بہانے ان سے پہلے کے لوگ بھی بتاتے رہے ہیں۔ تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا اور بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ ہم نے بر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی

لہ یہ چند کلمے بطور نصیحت اور تنبیہ کے فرماتے جا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک سمجھانے کا تعلق ہے، تم نے ایک ایک حقیقت پوری طرح کھول کر سمجھا دی ہے، دلائل سے ان کا ثبوت لے دیا، کائنات کے پورے نظام سے اس کی شہادتیں پیش کر دی ہیں، اور شرک پر جہے رہنے کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب یہ لوگ ایک صاف سیدھی بات کو مان لینے میں کیوں تامل کر رہے ہیں؟ کیا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کا فرشتہ سامنے آکھڑا ہو تو زندگی کے آخری لمحے میں مانیں گے؟ یا خدا کا عذاب سر پر آجائے تو اس کی پہلی چوٹ کھالینے کے بعد مانیں گے؟

۱۷ مشرکین کی اس محبت کو سورہ انعام رکوع ۸ کی آخری آیتوں میں بھی نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ وہ مقام اور اس کے حواشی اگر نگاہ میں رہیں تو سمجھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔

۱۸ یعنی یہ کئی سی بات نہیں ہے کہ آج تم لوگ اللہ کی مشیت کو اپنی گمراہی اور بد اعمالی کے لئے محبت بنا رہے ہو۔ یہ تو بڑی پرانی دلیل ہے جسے ہمیشہ سے بگڑے ہوئے لوگ اپنے ضمیر کو دھوکا دینے اور مانا جانے کا منہ بند کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔

نبدگی کرو اور طاغوت کی نبدگی سے بچو۔ اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پرینا اللہ مستطہ ہو گئی۔ پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے

یہ ماشیہ شاہ۔ یہ مشرکین کی حجت کا پہلا جواب ہے۔ اس کا پورا لطف اٹھانے کے لئے یہ بات ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ ابھی چند سطر پہلے مشرکین کے اُس پر ویسے کلام کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ قرآن کے خلاف یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ اچی، وہ تو پرانے قوتوں کی فرسودہ کمائیاں ہیں گویا ان کو نبی پر اعتراض یہ تھا کہ یہ صاحب نئی بات کو نسی لائے ہیں، وہی پرانی باتیں دہرا رہے ہیں جو طوفان نوح کے وقت سے لیکر آج تک ہزاروں مرتبہ کہی جا چکی ہیں۔ اس کے جواب میں یہاں ان کی ایک دلیل (جسے وہ بڑے زور کی دلیل سمجھتے ہوئے پیش کرتے تھے) کا ذکر کرنے کے بعد یہ لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرات آپ ہی کون سے ماڈرن ہیں۔ یہ مایہ ناز دلیل جو آپ لاتے ہیں اس میں قطعی کوئی اچھ موجود نہیں ہے، ایک دنیائوسی بات ہے جو ہزاروں برس سے گمراہ لوگ کہتے چلے آ رہے ہیں، اور آپ نے بھی اسی کو دہرا دیا ہے۔

یعنی تم اپنے شرک اور اپنی خود مختارہ تحلیل و تحریم کے حق میں ہماری مشیت کو کیسے سنبھال سکتے ہو جبکہ تم نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ تمہارا کام صرف ہماری نبدگی کرنا ہے، طاغوت کی نبدگی کے لئے تم پیدا نہیں کئے گئے ہو۔ اس طرح جبکہ ہم پہلے ہی معقول ذرائع سے تم کو بتا چکے ہیں کہ تمہاری ان گرامیوں کو ہماری رضا حاصل نہیں ہے، تو اس کے بعد ہماری مشیت کی آڑ لیکر تمہارا اپنی گرامیوں کو جائز ٹھہرانا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ تم چاہتے تھے کہ ہم سمجھانے والے رسول بھیجنے کے بجائے ایسے رسول بھیجتے جو ہاتھ پکڑ کر تم کو غلط راستوں سے کھنچے اپنے اور زبردستی نہیں راست رو بتاتے

یعنی ہر پیغمبر کی آمد کے بعد اس کی قوم دو حصوں میں تقسیم ہوتی بعض نے اس کی بات مانی اور یہ مان لینا اللہ کی توفیق سے تھا، اور بعض اپنی گمراہی پر جمے رہے۔

۳۔ یعنی تجربے سے بڑھ کر تحقیق کے لئے قابل اعتماد کسٹمی اور کوئی نہیں ہے، اب تم خود دیکھ لو کہ تاریخ انسانی کے بے دریغ تجربات کیا ثابت کر رہے ہیں۔ عذاب الہی فرعون و آل فرعون پر آیا یا موسیٰ اور (بانی صفا پر)

— لئے محمد تم چاہے ان کی ہدایت کے لئے کتنے ہی حریص ہو، مگر اللہ جس کو ٹھیکسا دیتا ہے پھر اسے ہدایت نہیں دیا کرتا اور نہ اس طرح سنہ لوگوں کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔

یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ "اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا"۔ اٹھایا گیا کیوں نہیں، یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور ایسا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں، اور منکرین حق کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ رہا اس کا امکان تو ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے

رقیبہ جانشینہؓ بنی اسرائیل پر، صالح کے بھٹلانے والوں پر آیا یا ملتے والوں پر؛ ہو دا اور نوح اور دوسرے انبیاء کے منکرین پر آیا یا مرعین پر؛ کیا واقعی ان تاریخی تجربات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جن لوگوں کو ہماری مشیت نے شرک اور مرتعت سازی کے ارتکاب کا موقع دیا تھا ان کو ہماری رضا حاصل تھی؛ اس کے برعکس یہ واقعات تو ہر تجزیہ ثابت کر رہے ہیں کہ فحاش اور فصیحت کے باوجود جو لوگ ان گرا بیوں پر اصرار کرتے ہیں انہیں ہماری مشیت ارتکاب جرائم کا خوب خوب موقع دیتی ہے تاکہ ان کا سفینہ اچھی طرح بھر کر ڈوبے۔

۱۵۔ یہ حیات بعد الموت اور قیامِ حشر کی عقلی اور اخلاقی ضرورت ہے۔ دنیا میں جب تک انسان پیدا ہوا ہے حقیقت کے بارے میں بے شمار اختلافات رونما ہوئے ہیں۔ انہی اختلافات کی بنا پر نسلوں اور قوموں اور خاندانوں میں پھوٹ پڑی ہے۔ انہی کی بنا پر الگ نظریات رکھنے والوں نے اپنے الگ مذہب الگ معیار الگ تمدن بنائے یا اختیار کئے ہیں۔ ایک ایک نظریے کی حمایت اور وکالت میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے مختلف زمانوں میں جان، مال، آبرو، ہر چیز کی بازی لگادی ہے۔ اور بے شمار مواقع پر ان مختلف نظریات کے حامیوں میں ایسی سخت کشاکش ہوئی ہے کہ ایک نے دوسرے کو بالکل مٹا دینے کی کوشش کی ہے، اور مٹنے والے مٹتے مٹتے بھی اپنا نقطہ نظر نہیں چھوڑا ہے۔ عقل چاہتی ہے کہ ایسے اہم اور منجیدہ اختلافات کے متعلق کبھی توضیح اور یقینی طبع پر معلوم ہو کہ فی الواقع ان کے اندر حق کیا ہے اور باطل کیا، راستی پر کون ہے اور نہ راستی پر کون۔ اس دنیا میں تو کوئی امکان اس پر ہے کہ اٹھنے کا نظر نہیں آتا۔ اس دنیا رہتی رہتی

اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا کہ اسے حکم دیں ہو جا" اور بس وہ ہوجاتی ہے یہ
 جو لوگ ظلم سہتے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینگے
 اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کماش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے
 رقیبہ عاشرہ ص ۱۵۱) کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں حقیقت پر سے پردہ اٹھ نہیں سکتا۔ لہذا لا محالہ عقل کے
 اس تقاضے کو پورا کرنے کیلئے ایک دوسرا ہی عالم نکال رہے۔

اور یہ صرف عقل کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے کیونکہ ان اختلافات اور ان کشمکشوں
 میں بہت سے فرقوں نے حصہ لیا ہے، کسی نے ظلم کیا ہے اور کسی نے سہا ہے، کسی نے قربانیاں کی ہیں
 اور کسی نے قربانیوں کو وصول کیا ہے، ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک
 اخلاقی رویہ اختیار کیا ہے اور اس سے اربوں اور کھربوں انسانوں کی زندگیاں برے یا بچے طور پر متاثر
 ہوئی ہیں۔ آخر کرنی وقت تو ہونا چاہئے جبکہ ان سب کا اخلاقی نتیجہ صلی یا ستر کی شکل میں مرتب ہو۔ اس دنیا کا
 نظام اگر صحیح اور مکمل اخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہئے جہاں نتائج
 ظاہر ہو سکیں۔

یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور تمام اگلے پچھلے انسانوں کو ایک
 وقت جلا اٹھانا کئی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کسی ارادے کو
 پورا کرنے کے لئے کسی سر و سامان، کسی سبب و وسیلے، اور کسی سازگاری احوال کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا
 ہر ارادہ محض اس کے حکم سے پورا ہوتا ہے۔ اس کا حکم ہی سر و سامان و وجود میں لاتا ہے، اس کے حکم ہی سے
 اسباب و وسائل پیدا ہو جاتے ہیں، اس کا حکم ہی اس کی مراد کے عین مطابق احوال تیار کر دیتا ہے اس
 وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی مجر و حکم سے وجود میں آئی ہے، اور دوسری دنیا بھی آنا فانا صرف ایک
 حکم سے ظہور میں آسکتی ہے۔

یہ اشارہ ہے ان ہاجرین کی طرف جو کفار کے ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آکر مکہ سے
 حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے منکرین آخرت کی بات کا جواب دینے کے بعد ایک رباتی ہٹا پھرا

بے کے پھروسے پر کام کر رہے ہیں اور کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے۔

اے محمد! تم نے تم سے پہلے بھی جیسا کہ رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہمس اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے پچھلے رسولوں کو بھی تم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا، اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اناری گئی ہے اور تاکہ

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۱۵۶) ہاجرین حبشہ کا ذکر چھپنے میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے اس سے مقصود کفار مکہ کو منہ پر کرنا ہے کہ ظالمو! یہ جفاکاریاں کر چکنے کے بعد اب تم سمجھتے ہو کہ کبھی تم سے باز پرس اور مظلوموں کی داد ہی کا وقت ہی نہ آئے گا۔

یہ یہاں مشرکین مکہ کے ایک اعتراض کو نقل کیے بغیر اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اعتراض وہی ہے جو پہلے بھی تمام انبیاء پر ہو چکا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین نے بھی آپ پر بار بار کیا تھا کہ تم ہماری ہی طرح کے انسان ہو، پھر تم کیسے مان میں کہ خدا نے تم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

۲۵ یعنی علماء اہل کتاب اور وہ دوسرے لوگ جو چاہتے تھے کہ علماء ہوں مگر بہر حال کتاب آسمانی کی تعلیمات سے واقف اور انبیاء سابقین کی سرگذشت سے آگاہ ہوں۔

۲۶ تشریح و توضیح صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی، اور اپنی رہنمائی میں ایک پوری مسلم سوسائٹی کی تشکیل کر کے اور ذکر الہی کے مشاکے مطابق اس کے نظام کو چلا کر بھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے، ذکر، فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جاسکتا تھا براہ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا۔ مگر محض ذکر بھیج دینے سے وہ مقصد پیدا نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و ربوبیت اس کی تشریح کا تقاضا کرتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس ذکر کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔ وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اس کا مطلب سمجھائے۔ جنہیں کچھ شک ہو ان کا راتنی چھاپے۔

لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

دقیقہ جانشینہ ص ۱۵۱) شک رفع کرے۔ جنہیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا جواب ہے۔ جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں ان کے مقابلہ میں وہ رویہ برت کر دکھائے جو اس "ذکر" کے حاملین کی شان کے ثبوت پر جو مانیں انہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات ہے، ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے، اور ان کو انفرادی و اجتماعی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سو سائٹی کو بطور مثال رکھ: جس کا پورا اجتماعی نظام "ذکر" کے منشا کی شرح ہو۔

یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا "ذکر" بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے، اسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف "ذکر" کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کر دیا تھا یا اس کے قائل ہیں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح، یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لیے صرف ذکر کافی ہے نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد و حالت میں باقی رہ گیا ہے نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے، عرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں، ان کا مسک بہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکرا رہا ہے۔ اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھینچنے یا براہ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اسے واسطہ تسلیم بنا یا گیا تھا۔ اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا ذکر ایک نبی کے ذریعہ سے بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔ اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو وہ اصل یہ قرآن اور نبوت محمدی، دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسک محض باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کے مسک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۵۹ پر)

پھر کیا وہ لوگ جو دعوت پیغمبر کی مخالفت میں بدتر سے بدتر چالیں چل رہے ہیں اس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا لے، یا ایسے گوشے ان پر عذاب لے آتے جدھر سے اس کے آنے کا ان کو سان گمان تک نہ ہو یا اچانک چلتے پھرتے ان کو پکڑ لے، یا ایسی حالت میں انہیں پکڑے جبکہ انہیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکتے ہوں؟ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی نرم خواہ رحیم ہے۔

اور کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے کہ اس کا سایہ کس طرح اللہ کے

(رقیبہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر پھیرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے نقشا کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہو گئی اور سہارا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس طرح کارہ گیا جیسا ہود اور صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں یہ چیز نبی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے۔ صرف ایک بے وفو ذہن ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھینے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے، اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قابلہم اللہ۔ اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعہ سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔

حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں گزرتا ہے؛ سب کے سب اس طرح اظہارِ عجز کر رہے ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جس قدر جاندار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائکہ ہیں سب اللہ کے آگے سرسجود ہیں۔ وہ ہرگز سرکش نہیں کرتے، اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ”وعدنا نہ بناؤ، خدا تو بس ایک ہی ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو۔ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور خالصاً اسی کا دین رساری کائنات میں پھیل رہا ہے۔ پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر تم کسی اور سے تقویٰ کر و گے؟ تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو۔ مگر جب اللہ اس وقت کو مال دیتا ہے

یعنی تمام جسمانی اشیاء کے ساتھ اس بات کی علامت میں کہ پہاڑ ہوں یا درخت، جانوروں یا انسان، سب کے سب ایک ہمہ گیر قانون کی گرفت میں جکڑے ہوئے ہیں، سب کی پیشانی پر بندگی کا داغ لگا ہوا ہے، اُلُوہیت میں کسی کا کوئی ادنیٰ حصہ بھی نہیں ہے۔

یعنی زمین ہی کی نہیں، آسمانوں کی بھی وہ تمام مستیاں جن کو قدیم زمانے سے لے کر آج تک لوگ دیوی، دیوتا اور خدا کے رشتہ دار ٹھہراتے آئے ہیں دراصل غلام اور تابع ہیں، ان میں سے بھی کسی کا خدا بندی میں کوئی حصہ نہیں۔

ضمناً اس آیت سے ایک اشارہ اس طرف بھی نکل آیا کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی میں نہیں ہیں بلکہ عالم بالا کے سیاروں میں بھی ہیں۔

سچے دو خداؤں کی نفی میں دو سے زیادہ خداؤں کی نفی آپ سے آپ شامل ہے۔
 سچے دوسرے الفاظ میں اسی کی اطاعت پر اس پورے کارخانہِ مہستی کا نظام قائم ہے۔
 سچے یا الفاظ دیگر کیا اللہ کے بجائے کسی اور کا خوف اور کسی اور کی نافرمانی سنے پچھے کا جذبہ تمہارا نظامِ زندگی کی بنیاد بنے گا؟
 سچے یعنی یہ توجیہ کی ایک عریض شہادت تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے۔

تو یکا یک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو داس مہربانی کے شکرے میں شریک کرنے لگتا ہے تاکہ اللہ کے احسان کی ناشکری کرے۔ اچھا، مزے کر لو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

یہ لوگ جن کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ان کے حصے ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، ضرورتاً تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ جھوٹ تم نے کیسے گھڑیے تھے؟ یہ خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! ان کے لئے وہ جو یہ خود چاہیں، جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھایا جاتا ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے پھینکا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو ایسے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ — دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ خدا کے پاسے میں لگاتے ہیں۔ بری صفات سے متصف کیے جاتے

یعنی اللہ کے شکر کے ساتھ کسی بزرگ یا کسی دیوی دیوتا کے شکر کے شکرے کی بھی نیازی اور نذرین چھانی شروع کر دیتا ہے اور اپنی بات بات سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اللہ کی اس مہربانی میں ان حضرت کی مہربانی کا بھی دخل تھا، بلکہ اللہ بزرگ مہربانی نہ لاتا اگر وہ حضرت مہربان ہو کہ اللہ کو مہربانی پر آمادہ نہ کرتے۔

یعنی جن کے متعلق کسی مستند ذبیحہ علم سے انہیں یہ تحقیق نہیں ہو رہی ہے کہ اللہ میاں نے ان کو واقعی شریک پیدا نامزد کر رکھا ہے، اور اپنی خدائی کے کاموں میں سے کچھ کام یا اپنی سلطنت کے علاقوں میں سے کچھ علاقے ان کو سونپ رکھے ہیں۔

یعنی ان کی نذر، نیا ز اور عینیت کے لئے اپنی آمد نہیں اور اپنی ادبھی کی پیداوار میں سے ایک مقرر حمد الگ نکال رکھتے ہیں۔

بلکہ مشرکین عرب کے معبودوں میں دیوتا کم تھے، دیویاں زیادہ تھیں، اور ان دیویوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کو بھی یہ خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

۵۵ یعنی بیٹے۔

کے لائق تو وہ لوگ ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ رہا اللہ تو اس کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے، وہی تو سب پر غالب اور حکمت میں کامل ہے۔ اگر کہیں اللہ لوگوں کو ان کی زیادتی پر خود ہی پکڑ لیا کرتا تو رستے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک ہمت دیتا ہے، پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ آج لوگ وہ چیزیں اللہ کے لئے تجویز کر رہے ہیں جو خود اپنے لئے انہیں ناپسند ہیں، اور جھوٹ کہتی ہیں ان کی زبانیں کہ ان کے لئے بھلا ہی بھلا ہے۔ ان کے لئے تو ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے دوسرخ کی آگ، ضروریہ سب سے پہلے اس میں اپنی پائے جائینگے خدا کی قسم، اے محمد! تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں اور پہلے بھی ہی ہوتا رہا ہے کہ شیطان نے ان کے برے کردار کو انہیں خوشنما بنا کر دکھائے اور رسولوں کی بات انہوں نے مان کر نہ دی۔ وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے اور یہ دردناک منزل کے مستحق بن رہے ہیں۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ تم ان اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اتری ہے ان لوگوں کے لئے جو اسے مان لیں۔

دعا شیعہ صحرا ساق، یعنی اپنے لئے جس بیٹی کو یہ لوگ اس قدر موجب تنگ و عار سمجھتے ہیں، اسی کو خدا کے لئے بلا نازل تجویز کر رہے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ خدا کیلئے اولاد تجویز کرنا بچائے خود ایک شدید جہالت اور گستاخی ہے، مشرکین عرب کی اس حرکت پر یہاں اس خاص پہلو سے گرفت اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ کے متعلق ان کے تصور کی سستی واضح کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ مشرکانہ عقائد نے اللہ کے معاملہ میں ان کو کس قدر جری اور گستاخ بنا دیا ہے اور وہ کس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے کوئی قباحت تک محسوس نہیں کرتے۔

لے دوسرے الفاظ میں، اس کتاب کے نزول سے ان لوگوں کو اس بات کا بہترین موقع ملا ہے کہ اوہام اور تقلیدی تخیلات کی بنا پر جن بے شمار مختلف مسکوں اور مذہبوں میں بیٹگئے ہیں ان کے بجائے صداقت کی ایک ایسی پائیدار بنیاد پالیں جس پر یہ سب متفق ہو سکیں۔ اب جو لوگ اتنے بے وقوف ہیں کہ اس نعمت کے آجانے پر بھی اپنی سابقہ حالت ہی کو ترجیح دے رہے ہیں وہ تباہی اور ذلت کے سوا اور کوئی انجام دیکھنے والے نہیں ہیں۔ اب تو یہ سارا سترونی پائیگا اور وہی برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہوگا جو اس کتاب کو مان لینگا۔